حالی و شبلی کی شاعری رجائیت کے آئینے میں

ڈاکٹر شگفتہ فردوس

ABSTRACT:

Moulana Altaf Hussain Hali and Shibli Naumani are legends of Urdu literature . They earned a lot of respect in different aspects of creative work like criticism, biography and poetry. In this research article, their poetry is analyzed in optimistic perspective.

Moulana Altaf Hussain Hali is one of the pioneers of new style in Urdu poetry and prose. He introduced many reforms in Urdu literature through his optimistic poems like Mussadas-e-Hali known as" Maddo Jazr-e-Islam "Nishat-e-Ummed" or "Tohfatul Akhwan".

Shibli Naumani also belongs to the modern school of Urdu Poetry. He devoted major part of his life to literary pursuits. One of his outstanding achievements was his well-known poem "Subh-e-Umeed'' pervading optimism and concluding with the forecast of bright future for Islam. His poems like "Gadayane Qoum", "Qaseeda-e-Urdu" are some other examples of his optimistic poetry.

تیرے سرودِ رفتہ کے نغمے علومِ نو
تہذیب تیرے قافلہ ہائے کہن کی گرد (۱)

مفکر اسلام اقبال نے قومی شاعری کو مہمیز کرنے والے عہد آفریں شعرا حالی و شبلی کو خراجِ تحسین پیش کیا تو ان کی نگاہ ان اکابر شعرا کے نغمات نو پر مرتکز تھی۔ وہ ان کے پس پردہ ''قافلہ ہائے کہن'' کی کاوشوں سے بھی بخوبی آشنا تھے۔

حالی وشبلی اپنے منفرد اسلوب شعری سے حمیت قوم کو اجاگر کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ جدت و اصلاح کے پیکر میں ڈھل کر ان شعرا کا سفر قوم کی فلاح اور کامرانی کی امید سے ہمیشہ وابستہ رہا۔ امید جو زندگی کا اثاثہ ہے، جس سے حیاتِ نو کے سرچشمے پھوٹتے ہیں، اسی کے رجائی رنگ و آہنگ سے حالی وشبلی کی شاعری میں بھی درخشندگی کے جگنو دمکتے دکھائی دیتے ہیں۔ رجائیت کی وضاحت کرتے ہوئے آل احمد سرور رقم طراز ہیں:

''رجائیت زندگی پر ایمان، کسی مسلک کی وفاداری، تاریکیوں میں روشنی، بادلوں میں چاندنی کی لکیر دیکھنے کا نام ہے۔'' (۲)

حالی وشبلی کی شاعری بھی اپنے مسلک کے ہمراہ تاریکیوں میں روشنی کی مظہر دکھائی دیتی ہے جس سے رجائیت کو فروغ ملتا ہے۔ اسی سے انسان کے فکر وعمل میں وہ انقلاب برپا ہوتا ہے جو حالات کو منقلب کرنے کے لیے آب حیات کا کام کرتا ہے۔ اس مثبت طرزِ فکر سے ان اکابر شعرا نے برصغیر کے مسلمانوں کو جینے کا حوصلہ عطا کیا۔ رجائیت کے اسی مثبت رنگ کو بیان کرتے ہوئے اختر پرویز فرماتے ہیں:

''رجائیت کو ہم زندگی کا ایک مثبت رویہ کہہ سکتے ہیں، جو انسان کو نامساعد حالات میں جینا سکھاتا ہے۔'' (۳)

رجائیت مربوط فکر وعملی نظام اور آفاقی اصطلاح کا نام ہے۔ حالی وشبلی کی شاعری میں رجائیت کا عنصر ان کی ذاتی اثر پذیری (Self-efficacy) اور توجیہی رجائی انداز (Optimistic Explanatory Style) کے پیش نظر کارفرما رہا۔ ان شعرا نے اپنے مثبت طرزِ فکر سے حالات و واقعات کے پس پردہ مستقبل کے روشن پہلو پر اپنی توجہ مرکوز کی اور قوم کو عالی ہمتی اور جہد مسلسل کی روش اپنا کر جادۂ حیات میں نتائج پر اثر انداز ہو کر سرخرو ہونے کا راز بتایا۔ جیسا کہ خود حالی نے فرمایا:

بزمِ ماتم تو نہیں بزمِ سخن ہے حالؔی
یاں مناسب نہیں رو رو کے رُلانا ہرگز (۴)

تاریخ ادب اردو میں حالی کی متنوع شخصیت کو ان کی غزل گوئی، جدید نظم کے بانی، جدید اردو تنقید کے نقطۂ آغاز اور سوانح نگاری میں منفرد اسلوب کے حامل ہونے کے حوالے سے ممتاز مقام حاصل ہے۔ انھوں نے ہر صنف ادب میں قدما کے تتبع پر جدت کو فوقیت دی۔ حالی نے اپنے رباعیات وقطعات، مرثیے، ترکیب بند اور قصائد میں حقیقت حال کو موضوع سخن بنا کر غلو کے راستوں کو مسدود کیا۔ ابتداءً مرزا داغ اور غالب کے تلمذ میں شاعری کی تب بھی ان کی انفرادیت نمایاں رہی۔ انھوں نے رجائیت کو اپنی ابتدائی غزلیات میں بھی جگہ دی:

دیکھ اے امید کمجو ہم سے نہ تو کنارا
تیرا ہی رہ گیا ہے لے دے کے اک سہارا (۵)

ملتے ہی اُن کے بھول گئیں کلفتیں تمام
گویا ہمارے سر پہ کبھی آسماں نہ تھا (۶)

وہ امید کیا جس کی ہو انتہا
وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا (۷)

حالی کی انفرادیت ہجر و فراق کے مضامین میں بھی جھلکتی ہے۔ وہ اپنی شگفتگی کے بل پر غم ہجر کو گوارا بنانے کا ہنر جانتے تھے:

حالی کو ہجر میں بھی جو دیکھا تو شادماں
تھا حوصلہ اُسی کا کہ اتنا صبور تھا (۸)

حالی بتدریج غزل کے موضوعات میں تنوع پیدا کرتے ہوئے مقصدیت کے پیش نظر اہل وطن کو عمل و امید کی راہ پر چلاتے رہے:

کاٹیے دن زندگی کے اُن یگانوں کی طرح
جو سدا رہتے ہیں چوکس پاسبانوں کی طرح
سعی سے اُکتاتے اور محنت سے کنیاتے نہیں
جھیلتے ہیں سختیوں کو سخت جانوں کی طرح (۹)

حالی غزل میں رنگارنگی کے قائل رہے اس لیے وہ اپنی غزلیات میں غم و آلام روزگار سے نبرد آزما ہونے کے لیے سعی و عمل کرتے ہیں اور انسانی کاوشوں کو بے حد اہمیت دیتے ہیں:

حرماں میں ہاتھ سے نہ دیا رشتۂ امید
اب تک تو ہم جہاں میں بہت شادماں رہے (۱۰)

انسانی امید ذاتِ باری تعالیٰ پر مکمل ایقان پر استوار ہے، یہی وجہ ہے کہ حالی خدائے بزرگ و برتر کو سمیع و بصیر تسلیم کرتے ہوئے یقین رکھتے ہیں کہ انسان کو ان مصائبِ حیات سے صرف وہی نجات دلا سکتا ہے۔ کہتے ہیں:

مشکلوں کی جس کو حالی ہے خبر
مشکلیں آساں وہی فرمائے گا (۱۱)

حالی نے رباعیات بھی تحریر کیں جن میں وہ انسان کو خدا پر یقین رکھتے ہوئے اپنے عمل سے اس فانی دنیا میں انسانی بقا کا راستہ دکھاتے ہیں:

کیا ہو گی دلیل تجھ پہ اور اس سے زیاد
دنیا میں نہیں ہے ایک دل جو کہ ہو شاد

پر جو کہ ہیں تجھ سے لو لگائے بیٹھے
رہتے ہیں ہر ایک رنج و غم سے آزاد (۱۲)

دنیا کو ہمیشہ نقشِ فانی سمجھو
رودادِ جہاں کو اک کہانی سمجھو
پر جب کرو آغاز کوئی کام بڑا
ہر سانس کو عمرِ جاودانی سمجھو (۱۳)

عظمتِ انسانی کی دلیل یہ ہے کہ وہ باوفا ہے، خدائے بزرگ و برتر نے اپنے بندوں کو اشرف المخلوقات بنا کر خاک کو کیمیا کا رنگ بخشا ہے:

طبع انساں کو دی سرشتِ وفا
خاک کو کیمیا کیا تو نے
تھا نہ جز غم بساطِ عاشق میں
غم کو راحت فزا کیا تو نے (۱۴)

حالی کی شعری صلاحیتوں کا لوہا منوانے میں 'مد و جزر اسلام'' یعنی مسدس حالی کا بڑا ہاتھ ہے جس نے طویل قومی نظم کے حوالے سے اردو ادب میں اوّلیت کا شرف حاصل کیا۔ یہ نظم حالی کی آرزومندی اور دل سوزی کا مرقع ہے۔ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:

''مسدس میں قوم کی غیرتی رگ کو حرکت میں لانے کے لیے اسلام اور مسلمانوں کی قومی تاریخ کے پُر فخر کارناموں کو شاید پہلی دفعہ اس طرز و اسلوب سے اس ملک میں بیان کیا گیا تھا۔ رونے کی تسکین کے ساتھ ساتھ اس کتاب میں مسلمانوں کے فخر وغرور کا سامان بھی تھا۔''(۱۵)

۱۸۷۹ء میں ''مد و جزر اسلام'' جب پہلی دفعہ چھپ کر آئی تو اہلِ اسلام کے عروج و زوال کی داستان کو منفرد انداز میں بیان کیا گیا۔ حالی نبی کریمؐ کی بعثت کو دنیا کی تاریکیوں میں روشنی کا مرکز قرار دیتے ہیں۔ جس سے خاکِ بطحا کو وہ ہستی عطا کی گئی جس کی آمد کی نوید تمام انبیا سناتے آئے۔ انھی کے وجودِ اطہر کی برکت سے ظلمتوں کا خاتمہ ہوا:

ہوئے محوِ عالم سے آثارِ ظلمت
کہ طالع ہوا ماہِ برجِ سعادت (۱۶)

بعدازاں حالی نے مسلمانوں کی سیاسی، سماجی، معاشی ابتری کو بیان کیا جس سے نظم کا اختتامی حصہ افسردگی کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ حالی کا مطمحِ نظر قوم کو دل گرفتہ کرنا نہیں تھا بل کہ وہ انھیں عمل پر آمادہ کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا ۱۸۸۶ء میں حالی نے قوم کے دلوں سے افسردگی کی فضا مٹانے کے لیے اس نظم کا ضمیمہ تحریر کیا جو رجائیت کا مظہر ہے:

بس اے ناامیدی نہ یوں دل بجھا تو
جھلک اے اُمید اپنی آخر دکھا تو
ذرا ناامیدوں کی ڈھارس بندھا تو
فسردہ دلوں کے دل آ کر بندھا تو

ترے دم سے مردوں میں جانیں پڑی ہیں
جلی کھیتیاں تو نے سر سبز کی ہیں (۱۷)

''مسدس حالی'' کا یہ ضمیمہ حرف بہ حرف حرکت وعمل کا پیامبر ہے جس سے یاسیت کا خاتمہ ہوتا ہے۔ رام بابو سکسینہ اس شہرہ آفاق نظم کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''اس نے کاروانِ مسلم کے لیے جرس کا کام کیا کہ اٹھیں اور آمادہ کار ہوں۔'' (۱۸)

شجاعت علی سندیلوی نے حالی کی اس شعری کاوش کو سراہتے ہوئے اس کے ثمرات کا جائزہ لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''مسدس حالی نے صورِ اسرافیل کا کام کیا۔ سوئی ہوئی قوم جاگ اٹھی۔ اس میں حرکت وعمل کا جذبہ بیدار ہوا۔ اس نے اپنے اخلاق و کردار کو سنوارنے اور سنبھالنے کی کوشش کی۔'' (۱۹)

حالی نے 'انجمن پنجاب' کے تحت موضوعاتی نظمیں لکھیں جن میں ''نشاطِ اُمید'' رجائیت کے حوالے سے انفرادیت کی حامل ہے۔ انھوں نے اردو نظم نگاری کو ایک نئی نہج پر ڈال کر اسے ہموار اور روشن کیا اور آنے والوں کے لیے نظم کے دائروں کو وسیع تر کر دیا۔ اُن کی مثنوی 'نشاطِ اُمید' آفاقی نوعیت کا موضوع ہے جس میں حالی نے مذہب، معاشرت، عمرانی وتمدنی مسائل کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ امید کی خوشی اور اہمیت کو بہت موثر انداز میں بیان کیا ہے۔ ازل تا ابد آس و یاس کی آویزش جاری رہے گی۔ لیکن رجائیت کی بنا پر آلامِ روزگار کو گوارہ بنایا جا سکتا ہے۔ دلوں میں آرزومندی کے دیے روشن کر کے انسانی حوصلوں کو مہمیز کرنے کا کام صرف رجائیت ہی کر سکتی ہے۔ جیسا کہ حالؔی کہتے ہیں:

اے مری امید مری جاں نواز
اے مری دل سوز مری کارساز

مری سپر اور مرے دل کی پناہ
درد و مصیبت میں میری تکیہ گاہ

عیش میں اور رنج میں میری شفیق
کوہ میں اور دشت میں میری رفیق

کاٹنے والی غمِ ایّام کی
تھامنے والی دلِ ناکام کی (۲۰)

خاکیوں کی تجھ سے ہے ہمت بلند
تو نہ ہو تو کام ہوں دنیا کے بند (۲۱)

اس نظم کے اختتام پر حالی امید کے قدموں کی برکت کو کچھ اس طرح سے بیان کرتے ہیں:

کان میں پہنچی تری آہٹ جو ہیں
رختِ سفر یاس نے باندھا وہیں
ساتھ گئی یاس کے پژمردگی
ہو گئی کافور سب افسردگی
تجھ میں چھپا راحتِ جاں کا ہے بھید
چھوڑیو حالی کا نہ ساتھ اے اُمید (۲۲)

اس مثنوی میں رجائیت قاری کو حوصلہ مندی کی نئی جہتوں سے روشناس کراتی ہے۔ اس مثنوی 'نشاطِ امید' کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عبادت بریلوی کہتے ہیں:

''نشاطِ اُمید کا موضوع پرانا ہونے کے باوجود نیا ہے۔ انسان جس وقت سے پیدا ہوا ہے، اُمید اور اس کی خوشی اس کے دم کے ساتھ ہے۔ وہ ہمیشہ ہر حال میں اس کی رفیق اور دوست ثابت ہوتی ہے۔ مایوسیاں اور ناکامیاں اس کے دم سے گوارا بن جاتی ہیں۔ افلاس اور عسرت میں انسان اس کے سہارے غنی رہتا ہے۔ وہ دکھے ہوئے دلوں کا مداوا ہے، وہ دلوں کو جگاتی اور حوصلوں کو بڑھاتی ہے۔ ارادوں میں اس کی وجہ سے نیا خون دوڑتا ہے۔ انسان کی بلندی کا راز امید ہی میں پوشیدہ ہے۔'' (۲۳)

حالی کی تحریر کردہ نظموں ''تحفۃ الاخوان'' اور ''گدایانِ قوم'' سے بھی رجائیت منعکس ہوتی ہے جہاں اسلاف سے محبت، مسلم ثقافت سے گہرا تعلق اور حالات کا شعور نمایاں دکھائی دیتا ہے:

جب تک ہے انساں میں غیرت کی شان
پتلے میں اس خاک کے باقی ہے آن
قوم کی طاقت کا بڑھانا ہے فرض
قوم کا قرضہ یہ چکانا ہے فرض (۲۴)

نظم ''تحفۃ الاخوان'' کے اختتامیہ اشعار میں کہتے ہیں:

یا کرو کوشش کہ مردہ قوم میں پڑ جائے جاں
اور دکھا دو خلق کو اس راکھ سے اٹھتا دھواں (۲۵)

''مناجاتِ بیوہ'' میں خدا کی ہستی کو بے سہاروں کا اصل آسرا قرار دیتے ہیں:

بے آسوں کی آس ہے تو ہی
جاگتے سوتے پاس ہے تو ہی (۲۶)

جس طرح حالی نے مایوسی کی شکار قوم کو ازسرِ نو زندگی سے ہم کنار کیا اسی طرح شبلی نعمانی نے اپنی انفرادیت کا لوہا سوانح نگاری اور تاریخ نویسی میں ہی نہیں منوایا بل کہ ان کی تخلیقی صلاحیتیں شاعری میں بھی عیاں ہیں۔ امید و عمل سے آمیز ہو کر شبلی کی شاعری اپنے قارئین کو عظمتوں اور رفعتوں سے روشناس کراتی ہے۔ ان کی کلیات میں مثنویات، مسدس، اخلاقی، سیاسی اور مذہبی نظمیں شامل ہیں۔ انھوں نے برصغیر کے مسلمانوں کو عرب تہذیب و ثقافت کی جانب متوجہ کرنے کے لیے کاوشیں کیں۔

شبلی نے سیاسی و تاریخی ہنگامی موضوعات پر طبع آزمائی کا آغاز کیا۔ ان کی شاعری خارجی محرکات اور تحریکوں کی مظہر ہے۔ شبلی تحریک علی گڑھ اور سرسید احمد خان سے غایت درجے کی محبت رکھتے تھے جس کا اظہار انھوں نے مثنوی ''صبحِ امید'' میں کیا۔ یہ نظم اسلامی شان و شوکت، جرأت کا خوب صورت بیان ہے۔ اس میں ان کے موضوعات مذہبی، تاریخی اور طنزیہ نوعیت کے ہیں۔ انھوں نے انجمن پنجاب کے زیرِ اثر شاعری کا آغاز کیا۔ نظم ''صبحِ اُمید'' میں ابتداءً مسلمانوں کے کارہائے نمایاں بیان کر کے تاریخی صورت حال کا تذکرہ کیا گیا ہے:

یہ اوج وہ خیالِ اُمید
یہ قوم کا نونہالِ اُمید
صد شکر کہ آج بارور ہے
جو شاخ ہے اُس کی پُر ثمر ہے
لایا ہے، وہ برگ و بار کیسا
اعدا کو ہے خار خار کیسا (۲۷)

برصغیر کے بدلتے ہوئے حالات کے پیشِ نظر مسلمانوں کو مصائب و آلام کا سامنا بھی کرنا پڑا لیکن وہ مایوس نہیں ہوئے۔ اس حوالے سے شبلی کہتے ہیں:

ترغیب کے ساتھ ساتھ تجدید
کچھ یاس تو کچھ نوید اُمید (۲۸)

اس نظم کے آخر میں ان کی نگاہ مسلمانوں کے مستقبل پر مرکوز تھی، فرماتے ہیں:

گو دورِ فلک ہوا ہے دگرگوں
پھر بھی تو رگوں میں ہے وہی خوں
اسلاف کے وہ اثر ہیں اب بھی
اس راکھ میں کچھ شرر ہیں باقی (۲۹)

شبلی کی شاعری کا تجزیہ کرتے ہوئے پروفیسر محمد فرمان ان کے شعری موضوعات کا احاطہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''ہمت و جرأت، سامراج پر چوٹیں، شہنشاہت کی مخالفت، آزادی کی لگن، مغرب پرستوں کی مخالفت اور علما کو میدان میں آنے کی دعوت، ان نظموں کی واضح خصوصیات ہیں....شبلی نے واقعی اپنی اردو شاعری کی بدولت ایک طرف ایک ہندوستانی کی حیثیت سے تحریکِ آزادی کو تقویت دی ہے اور دوسری طرف بحیثیت ایک مسلمان کے عالم اسلام کی خدمت کو اپنا شعار بنایا ہے۔'' (۳۰)

حالی کے ساتھ شبلی بھی ایجوکیشنل کانفرنس کے جلسوں میں شرکت کرتے رہے۔ اجلاس منعقدہ ۱۸۸۸ء میں شبلی نسلِ نو کو مستقبل کا امین سمجھتے ہیں۔ انھیں یقین ہے کہ نوجوان اس قوم کو متحد کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس لیے وہ اس نظم میں رجائیت کا اظہار کرتے ہیں:

اب بھی اسلاف کے موجود ہیں جوہر ہم میں
دیکھنا جوش میں آتا ہے یہ دریا کیسا
ہاں کمر بستہ ہو اے قوم ترقی کے لیے
آج کے کام میں اندیشۂ فردا کیسا
نوجوانو! یہ زمانہ کو دکھا دینا ہے
اپنی قوت کو کیا قوم نے یکجا کیسا
قوم کے تازہ نہالانِ چمن ہو تم لوگ
دیکھیں پھل لاتا ہے یہ نخلِ تمنا کیسا (۳۱)

قصیدہ اردو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس ۱۸۹۳ء میں پڑھا گیا۔ اس میں شکوۂ اسلامی کا ذکر کرتے ہوئے شبلی اپنے اسلاف پر فخر محسوس کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

ہماری کلفتیں سب دور ہو جاتی ہیں یہ سن کر
کہ دنیا آج تک اسلام کی ممنونِ احسان ہے
مزے لیتے ہیں پہروں تک کسی سے جب یہ سنتے ہیں
کہ یورپ دولتِ عباس کا اب تک ثناخواں ہے (۳۲)

شبلی نعمانی کے اس قصیدے میں امید، حرکت و عمل اور جوش و جذبہ کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد احسان الحق کلیاتِ شبلی نعمانی کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

''اس میں مسلمانوں کے عروج کے زمانے کے واقعات کے تذکرہ سے ان میں آگے بڑھنے کا جوش پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔'' (۳۳)

اس نظم میں وہ امتِ مسلمہ کو اپنے اسلاف کی عظمتوں اور رفعتوں سے روشناس کراتے ہوئے ان کے نقشِ قدم پر چل کر عمل کی راہ اپنانے پر آمادہ کرتے ہیں:

تمھیں جو کام ہیں درپیش گو مشکل سے مشکل ہیں
مگر کرنے آ جاؤ تو آساں سے ہیں آساں تر (۳۴)

مولانا شبلی کے ہاں عمرانی تغیر (Social Change) کا احساس اور اظہار نمایاں ہے۔ وہ ایک تہذیب کے ساتھ دوسری نئی اور ترقی پذیر تہذیب کو ابھرتا دیکھتے ہیں جس میں زمانے کے ساتھ چلنے، عظمت انسانی کا احساس اور شعور ملتا ہے۔ مفتون احمد اس حوالے سے کہتے ہیں:

''شبلی ایک بڑے شاعر نہ تھے لیکن ایک خوش گوار شاعر تھے۔'' (۳۵)

شبلی کی نظمیں بہت ہنگامہ خیز موضوعات پر مبنی تھیں۔ تقسیم بنگال کی منسوخی، جنگِ بلقان اور کئی دینی وملی معاملات سے متاثر ہو کر انھوں نے نظمیں لکھیں جن میں امید کا رنگ ملتا ہے۔ مثنوی ''صبح اُمید'' میں شبلی کہتے ہیں کہ وہ قوم جس نے قیصر و کسریٰ کے چراغِ گل کر کے فتح و اقبال کے دروا کیے تھے، تعصّبات کا شکار ہو کر اسلام سے دور ہو گئی ہے۔ لیکن وہ مایوس نہیں۔ انھیں امید ہے کہ آج بھی امتِ مسلمہ اگر اپنی اصلاح کرے تو اس راکھ سے چنگاریاں پیدا کی جا سکتی ہیں۔

۱۸۹۴ء میں شبلی نے ایک اور قصیدہ لکھا جس میں کہتے ہیں:

دیکھنا آپ کھڑے ہوں گے ہم اپنے بل پر
غیر سے چارہ نوازی کا تقاضا کیسا
اب بھی اس راکھ میں تھوڑی سے شرر یں پنہاں
اب بھی اک فتنہ ہے یہ شایدِ زیبا کیسا
دیکھنا ذرّہ کا چمکے گا ستارہ اک دن
دیکھنا قطرہ یہ بن جاتا ہے دریا کیسا (۳۶)

شبلی نے جنگ بلقان میں ترکی بھیجے جانے والے وفد کی واپسی پر نظم 'خیر مقدم ڈاکٹر انصاری' سنگل لکھی جس میں اپنے بھائیوں کی بے لوث خدمت، غم خواری، ہمدردی اور جذبہ اسلامی سے معمور ہو کر اخوت کا مظاہرہ کرنے پر خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ مجاہدین کی جرأت مندی پر ان کی کامیابیوں کی امید کو اس طرح سے بیان کرتے ہیں:

سہارا ہے اگر اُمید کا اب بھی کوئی باقی
تو تم نے وہ رموزِ قوت مکنوں بھی دیکھے ہیں
عجب کیا ہے یہ بیڑا غرق ہو کر پھر اُچھل آئے
کہ ہم نے انقلابِ چرخ گردوں یوں بھی دیکھے ہیں (۳۷)

الغرض حالی اور شبلی نے اپنی تخلیقی کاوشوں کو اپنی قوم کی اصلاح کے لیے صرف کرتے ہوئے ان کی خامیوں سے نہ صرف پردہ اٹھایا، بل کہ انھیں شان دار اسلامی تاریخ سے آگاہ کرتے ہوئے مسلم نشاۃ ثانیہ کی امید بھی دلائی ہے۔ ڈاکٹر سہیل احمد خاں اس عہد کے دانش وروں میں مایوسی کے مشترکہ احساس کو بیان کرتے ہوئے ہمارے بعض

شعرا کی نظموں میں امید افزا دعاؤں کی نشان دہی بھی کی ہے تا کہ مستقبل میں امیدوں کے دیے روشن کیے جا سکیں۔ وہ کہتے ہیں:

> ''اردو کی قومی اور ملی شاعری میں یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اس عہد کے شاعروں نے آشوب کی انتہا کے دوران بھی رجائیت اور اُمید کے احساس کو گم نہیں کیا۔'' (۳۸)

بے شک حالی وشبلی کی شاعری بھی اسی احساس کی لَو سے اپنے عہد کی ظلمتوں کے خلاف صف آرا دکھائی دیتی ہے۔

حوالے:

(۱) محمد اقبال، **کلیاتِ اقبال (اردو)**، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۵ء، ص۲۲۲

(۲) پروفیسر آل احمد سرور، ''اقبال، فیض اور ہم'' مشمولہ **فیض احمد فیض کی شاعری**۔ مرتبہ؛ اشتیاق احمد۔ لاہور: کتاب سرائے، ۲۰۱۰ء، ص۱۵۷

(۳) اختر پرویز۔ ''تصورِ رجائیت''، مشمولہ **تصوراتِ اقبال**۔ مرتبہ؛ سید اسعد گیلانی۔ لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، ۱۹۹۰ء، ص ۲۱۵

(۴) مولانا الطاف حسین حالی۔ **کلیاتِ نظم حالی**۔ جلد اوّل، مرتبہ؛ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸ء۔ ص۱۲۱

(۵) مولانا الطاف حسین حالی۔ **کلیاتِ حالی**۔ ص۹۲

(۶) مولانا الطاف حسین حالی۔ **کلیاتِ نظمِ حالی**۔ جلد اوّل۔ مرتبہ؛ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸ء۔ ص۵۹

(۷) ایضاً ، ص۶۳

(۸) ایضاً ، ص۶۱

(۹) ایضاً ، ص۱۱۲

(۱۰) ایضاً ، ص۱۲۰

(۱۱) ایضاً ، ص۱۰۱

(۱۲) ایضاً ، ص۲۱۹

(۱۳) ایضاً ، ص۲۲۴

(۱۴) ایضاً ، ص۸۰

(۱۵) سید سلیمان ندوی۔ **مقدمہ مسدس حالی** (صدی ایڈیشن)۔ کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۹۲ء، ص۴۱

(۱۶) شمس العلما مولانا الطاف حسین حالی۔ **کلیاتِ نظمِ حالی**۔ جلد دوّم۔ مرتبہ؛ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۰ء، ص۶۳

(۱۷) ایضاً ، ص۱۳۶

(۱۸) رام بابو سکسینہ۔ **تاریخ ادب اردو**۔ مترجمہ؛ مرزا حسن عسکری۔ لاہور: گلوب پبلشرز، ۱۹۸۶ء۔ ص۳۸۵

(۱۹) شجاعت علی سندیلوی۔ **حالی بحیثیت شاعر**۔ لکھنو: ادارۂ فروغِ اردو، ۱۹۶۰ء۔ص۲۶۹
(۲۰) مولانا الطاف حسین حالی۔ **کلیاتِ نظمِ حالی**۔ جلد اوّل۔ مرتبہ؛ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی۔ص۳۸۴، ۳۸۵
(۲۱) ایضاً ۔ ص۳۸۷
(۲۲) ایضاً ۔ ص۳۹۱
(۲۳) عبادت بریلوی، ڈاکٹر۔ **جدید شاعری**۔ لاہور: اردو دنیا، ۱۹۶۱ء، ص۱۲۸
(۲۴) مولانا الطاف حسین حالی۔ **کلیاتِ نظمِ حالی**۔ جلد دوّم۔ مرتبہ؛ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی۔ص۲۶۰
(۲۵) ایضاً ۔ ص۲۷۰
(۲۶) مولانا الطاف حسین حالی۔ **کلیاتِ نظمِ حالی**۔ جلد دوّم۔ مرتبہ؛ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی۔ص۷
(۲۷) مولانا شبلی نعمانی۔ **کلیاتِ شبلی**۔ مرتبہ؛ ڈاکٹر محمد احسان الحق، ص۵۸
(۲۸) مولانا شبلی نعمانی۔ **کلیاتِ شبلی**۔ مرتبہ؛ ڈاکٹر محمد احسان الحق، ص۳۵
(۲۹) مولانا شبلی نعمانی۔ **کلیاتِ شبلی**۔ مرتبہ؛ ڈاکٹر محمد احسان الحق، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص۶۵
(۳۰) محمد فرمان۔ ''شبلی نعمانی''۔ مشمولہ **تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند**۔ اردو ادب، جلد چہارم۔ لاہور: جامعہ پنجاب، ۲۰۱۰ء، ص۱۰۸
(۳۱) مولانا شبلی نعمانی۔ **کلیاتِ شبلی**۔ مرتبہ؛ ڈاکٹر محمد احسان الحق، ص۸۸
(۳۲) ایضاً ، ص۷۷
(۳۳) ایضاً ، ص۸
(۳۴) ایضاً ، ص۷۹
(۳۵) مفتون احمد۔ **مولانا شبلی نعمانی – ایک مطالعہ**۔ کراچی: مکتبۂ اسلوب، ۱۹۸۶ء، ص۱۱
(۳۶) مولانا شبلی نعمانی۔ **کلیاتِ شبلی**۔ مرتبہ؛ ڈاکٹر محمد احسان الحق، ص۸۶
(۳۷) ایضاً ۔ ص۱۶۰
(۳۸) ڈاکٹر سہیل احمد خان۔ ''قومی وملی شاعر''۔ مشمولہ **تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند**۔ اردو ادب، (جلد چہارم) لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء۔ ص۲۳۳